P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۹ | یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء | مدیر - قاضی عبدالغفار | ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۹ ہجری | نمبر ۱۹

کچھ گذری ہوئی باتیں

''ہندستان کے اتری حصہ میں مسلمان اور ہندو دونوں ایک ہی بھاشا بولتے ہیں، فرق صرف پڑھے لکھوں نے پیدا کیا ہے، یعنی پڑھے لکھے ہندو ہندی کو سنسکرت بھری بنا ڈالتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان اسے سمجھ نہیں پاتے، لکھنو کے مسلمان بھائی فارسی لدی اردو بول کر اسے ایسی شکل دیدیتے ہیں کہ ہندو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ دونوں غیر زبانیں ہیں اور عام جنتا کے بیچ انکی کوئی جگہ نہیں،''

(موہن داس کرم چند گاندھی)

کچھ اپنی باتیں

اردو اور مقامی زبانیں

حال ہی میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی سینیٹ کے اجلاس میں دو اہم تقریریں ہوئیں حیدرآباد کے وزیر اعظم مسٹر ویلوڈی نے زبان اور ذریعہ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ میں ذریعہ تعلیم اردو تھا لیکن اب

''پرزور مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس ذریعہ تعلیم کو ہندی میں تبدیل کرنے کے لئے فوری قدم اٹھائے جائیں۔ دستور کی رو سے ہندی کو ملک کی قومی زبان (؟) قرار دیا گیا ہے' اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہندی زبان میں تعلیم کی ترقی کے لئے موثر قدم اٹھائیں۔ لیکن میں ان لوگوں میں سے ہوں جنکا ایقان ہے کہ کھلی ہوئی حقیقتوں سے آنکھ بند کر کے ہم کوئی فایدہ حاصل نہیں کر سکتے اور ایسا کرنا حقیقت میں احمقانہ ہوگا..................

حیدرآباد میں اردو نہ صرف یہاں رہنے والوں کی

بلکہ پورے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان رہی ہے ــ یہہ امید کرلینا کہ راتوں رات ہندی اُردو کی جگہ لے لیگی ناممکن باتوں کی امید رکھنا ہے۔"

جامعہ کے وائس چانسلر نواب علی یاور جنگ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ جہاں تک زبان کے متعلق جامعہ کی پالیسی کا تعلق ہے

"اگر ایک طرف بیشتر ذہنی مضامین کے شعبوں کا ذریعہ تعلیم اُردو کو بدل کر انگریزی بنادیا گیا اور حیدرآباد کے درجہ اول کے کالج میں سائنس اور فنون کی تعلیم کو انگریزی میں برقرار رکھا گیا اور زنانہ کالج اور خود یونیورسٹی میں انگریزی ذریعہ تعلیم والی متوازی جماعتیں قایم رکھی گئیں تو دوسری طرف ذریعہ تعلیم اُردو کے بجائے ہندستانی کو بنادیا گیا ....یہہ اقدام ایک عبوری حیثیت رکھتا تھا جو اب بھی ۔ قرار ہے تاکہ تبدیلی ہموار طریقے پر ہو جس سے کوئی خلل واقع نہ ہو اور نہ معیار تعلیم گرنے کی نوبت آئے...................."

اس مشکل اُردو سے ہٹ کر جو حیدرآباد میں رائج کی گئی تھی ہندستانی زبان کو اختیار کرنے کا اصول ایسا نہیں جس پر اعتراض کیا جاسکے لیکن اُردو پر انگریزی کو ترجیح دینے کی یہہ پالیسی ابھی تک ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ عبوری دور کیلئے اُردو کے بجائے ہندستانی کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا اصول سمجھہ میں اتا ہے، لیکن یہہ بات سمجھہ میں نہیں آتی کہ جہاں ہندی فوراً رائج نہیں ہوسکتی وہاں اُس زبان پر جو بقول مسٹر ویلوڈی حیدرآباد میں "نہ صرف یونیورسٹی کی بلکہ پورے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان رہی ہے" انگریزی کو ترجیح دی جاتی ہے ــ اس عجیب طرز عمل کا کوئی معقول سبب ہونا چاہئیے ــ ورنہ ہندستانی زبان کو جو بہر حال اُردو اور ہندی دونوں سے قریب ہے عبوری دور میں اپنی جگہ قایم رکھا جاسکتا تھا ۔

اس صورت حال کا صحیح عکس ہم بعض عملی صورتوں میں دیکھتے ہیں ــ ایسی ناگوار مثالیں نہ صرف حیدرآباد میں بلکہ خود ہمارے صوبہ میں بھی نظر کے سامنے آرہی ہیں ــ ہمیں خوشی ہوگی اگر یہہ معلوم ہوکہ اس قسم کی خبریں غلط یا مبالغہ امیز ہیں؟ لیکن اس قسم کی جو خبریں اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہیں اونکی کوئی سرکاری تردید ہماری نظر سے نہیں گذری ــ کیسی عجیب بات ہے کہ حیدرآباد کے وزیر اعظم تو زبان کے "راتوں رات انقلاب" کی کوشش کو "احمقانہ" قرار دیتے ہیں، لیکن پھر بھی وہاں کے تعلیمی شعبوں میں راتوں رات ہندیا نے کا عمل جاری ہے ــ اور یہہ صورت حال ہندستان کے متعدد گوشوں میں یکساں ہے ــ یعنی حکومتوں کی پالیسی کے اعلان تو معتدل ہوتے ہیں لیکن اُن پر عمل کرنے والے ماتحت بےتحاشا خلاف ورزی کرتے ہیں ــ خاص طور پر اتر پردیش کی مثال ہمارے سامنے ہے ــ حکومت کے وزرا کی تسکین بخش باتوں سے تسکین کا عنصر تحلیل ہوجاتا ہے جب حکومت کی پالیسی ماتحت عاملہ کے ہاتھہ میں آتی ہے ۔ زبان کے مسئلہ کی حد تک یہہ عمل ہر گوشہ میں جاری ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے تمام دوسری مقامی زبانوں کی ازادی کا تو لحاظ کیا جارہا ہے لیکن خاص طور پر اُردو اور ہندستانی زبان ہی اس بدعملی کا شکار ہورہی ہے ــ

ان حالات کی توضیح حیدرآباد کے ایک نہایت مخلص قوم پرست اور وسیع النظر لیڈر کے قلم سے ہوتی ہے ــ اخبار رعیت کے اڈیٹر ایم نرسنگ راؤ صاحب نے اپنے اخبار کی ایک تازہ اشاعت میں " علاقہ واری زبان کے ذریعہ تعلیم" پر جو خیالات ظاہر کئیے ہیں وہ اس عام پالیسی کے بعض ضروری گوشوں کو روشن کرتے ہیں ۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ واری

زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے پر حیدر آباد میں اس شدت کے ساتھہ زور دیا جارہا ہے کہ جو طلبا یا جنکے والدین چاہتے ہیں کہ آردو زبان میں تعلیم دی جائے انکو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ ساتھہ ہی یہہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ بہت سے طلبا اپنی مقامی زبانوں پر بھی آردو کو ترجیح دیے رہے ہیں لیکن حکومت انکو یہہ آزادی دینا پسند نہیں کرتی ۔ ایم نرسنگ راو صاحب حیدرآباد کے اضلاع کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سرکار طلبا کے والدین کو مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ کسی مخصوص مدرسے میں اور کسی مخصوص زبان کے ذریعہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں ۔ نابالغ بچوں کی صورت میں تو یہہ بالکل ان کے والدین کے اختیاری ہے اور یہہ ایک بنیادی حق ہے ۔

میں جانتا ہوں کہ میری اس تنقید کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ بعض حلقوں کی جانب سے مجھہ پر نکتہ چینی کی جائیگی کہ میں آردو زبان کا حامی ہوں اور ایک ایسا اندھرا ہوں جو مسلم دوست ہے بہر حال مجھے اپنے احساسات اور خیالات ظاہر کرنے میں اپنے دوستوں کی نکتہ چینی کی کوئی فکر نہیں لیکن مجھے ضرور ان لاکھوں طلبا کی فکر ہے جنھوں نے صحیح یا غلط طریقہ پر ابتدائی جماعت سے لیکر آٹھوین یا نوین جماعت تک حیدرآباد میں آردو کے ذریعہ تعلیم پائی ہے ۔ یہہ سابقہ حکومت کی نادانی تھی اور اب ہماری موجودہ مہربان حکومت اپنی دانائی اس میں سمجھہ رہی ہے کہ ان تمام طلبا کو جو نیچے کی جماعتوں سے لیکر اوپر کی آٹھوین یا نوین جماعت تک آردو کے ذریعہ تعلیم پاچکے ہیں ایک دم سے اپنی مادری زبانوں کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کرے' حیدرآباد میں تو ایک رات میں انقلاب لانا مقصود معلوم ہوتا ہے ۔ یاد رکھئے کہ یہہ انقلاب نہ ہوگا اس نسل کے طلبا کی تباہی ہے۔ ...... تعلیم وتربیت کا معیار کافی گھٹ گیا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اس علاقہ واری انقلاب کے تحت تعلیم پاکر نکلے ہوئے طلبا کا معیار کیا ہوگا اور وہ کس کام کے ہوں گے ۔ بہر کیف مجھے جو کچھہ کہنا تھا میں نے کہہ دیا ۔میرے کہنے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ ذرا آہستہ قدم بڑھائیے اور علاقہ واری زبانوں کو مضبوط بنیادوں پر ترقی دیجئے ۔"

جہاں تک علاقہ واری زبانوں کی ترقی کا سوال ہے کوئی انصاف پسند شخص اسقدر لغو مطالبہ نہیں کرسکتا کہ ان زبانوں کو ترقی کے مواقع نہ دیے جائیں لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ ہو یہی رہا ہے اور مقامی زبانوں کے حامیوں کو شکایت پیدا ہو رہی ہے کہ ہندیانے کا عمل انکی برداشت سے زیادہ سخت ہے ۔ اس عمل کی گاز سب سے زیادہ آردو ہی پر ٹوٹتی ہے جسکو علاقہ واری زبان بھی تسلیم نہیں کیا جاتا ۔ آردو کے حامی اسوقت سوائے اسکے کچھہ نہیں چاہتے کہ کسی علاقہ واری زبان اور اسی طرح آردو کی ترقی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے ۔ لیکن ہو یہہ رہا ہے کہ حکومتیں تو اصول قایم کرتی ہیں اور انکی تشہیر کرتی ہیں لیکن تحت کے عمال جو حکومتوں کی پالیسی کے ساتھہ پابند ہوتے ہیں انکو اسطرح استعمال کرتے ہیں کہ سب سے پہلے آردو ختم ہو اور اسکے بعد دوسری علاقہ واری زبانیں بھی ہندی کے مقابلہ میں کمزور ہو جائیں ۔ راتوں رات والے انقلاب کا یہہ ڈھنگ نہ صرف یہہ کہ دانشمندانہ نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ملک کے دستور کی حقیقی روح کو مجروح کرتا ہے ۔

ہلکے ہلکے اشارے

............مسٹر دیواکر وزیر براڈ کاسٹنگ جب دکشنا ہندی پرچار سبھا کے دفتر پر تقسیم انعامات کے لئے پہنچے تو دراوڈی فیڈریشن کے ممبروں نے کالی جھنڈیوں سے انکا استقبال کیا ...... کہا جاتا ہے کہ یہہ مظاہرا ہندی زبان کو قومی زبان بنانے کے خلاف کیا گیا تھا ۔

مسٹر دیوا کر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہمیں مظاہرہ کرنے والوں سے خفاہ ہونا چاہئے بلکہ اُن پر ترس کھانا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے ہم خیال ہو جائیں"

.... مدراس میں ایک اور تقریر کرتے ہوئے مسٹر دیوا کر نے فرمایا کہ "کسی علاقہ واری زبان کے مقابلہ میں ہندی کو لاۓ حقایق شناسی سے بعید ہے۔ ہندی کو ابھی ابھی بہت ترقی کرنی باقی ہے اور آپ ملک کی قومی زبان میں سب کو متحد کرنے والے عنصر کی حیثیت سے کام کرتا ہے"

........."متحد کرنے والے" عنصر کی خصوصیات ہم اس جدوجہد میں تلاش کر رہے ہیں جو ہندی زبان کو پاک اور شدھ بنانے کی کی جارہی ہے۔ دیوا کر صاحب ذرا اس پہلو کی بھی وضاحت فرمائے!

.........ہندی کی ترقی ہمارے سر انکھوں پر مگر اسکو کیا کیجئے کہ ہندی کی ترقی کے لئے مقامی زبانوں اور بیچاری آردو کو کمزور کرنا ضروری سمجھا جارہا ہے۔ .... کالی جھنڈیوں کے صحیح معنے مسٹر دیوکر نے نہیں سمجھے!

.... معاصر ہندستان (بمبئی) لکھتا ہے:-

"اُردو زبان میں ایک ادبی خزانہ موجود ہے اور دوسری زبانوں کے مقابلہ میں وہ سرمایہ کم سہی مگر "کافی ضرور" ہے۔ اُن لوگوں کو آردو ادب کی چاشنی سے روشناس کرنا ضروری ہے جو آردو رسم الخط سے واقف نہیں یا جو آردو نہیں جانتے۔ آردو کی مخالفت کرنے والے عوام کا تو ذکر ہی نہیں۔ وہ جذبات میں بہہ رہے ہیں۔ مگر جو ادیب اور اہل قلم حضرات آردو کو مٹا دینا چاہتے ہیں انہیں آردو کے اس بیش قیمت خزانہ کا علم ہی نہیں۔ دوسری زبان جاننے والے جانتے ہی نہیں کہ آردو میں کیا کچھ ہے۔ اگر توجہ محنت اور مالی خرچ سے ایسا انتظام کر لیا گیا کہ آردو ادب کے شہپاروں کو دوسرے رسم الخطوں میں منتقل کیا جاسکے تو لاکھوں ہندی اور سنسکرت کے ادیبوں کو آردو کی مخالفت کرنے سے پہلے سوچنا پڑے گا کہ وہ غلط قدم اُٹھا رہے ہیں یا صحیح۔ بہر حال اُن کے خیالات میں تبدیلی یقینی ہے۔ راقم الحروف ایسے کئی ادب نواز اشخاص کو جانتا ہے جو آردو کے ادب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں مگر آردو نہ جاننے کی وجہ سے وہ محروم ہیں۔ اگر آردو کا ادب اور زبانوں میں منتقل ہوا تو یقیناً وہ بہرہ ور ہو سکینگے۔ اور ایسے لاکھوں بلکہ کروڑوں اشخاص ہیں جو آردو ادب کا اثر قبول کرینگے۔ زبان ظاہری اعتبار سے کچھ نہ ہو مگر جب ہم دعوی کرتے ہیں کہ یہ زبان مٹ نہیں سکتی تو اس وقت ہمارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ آردو زبان اپنے اندر ایسا سرمایہ رکھتی ہے جو آسے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے اور ہمارا ادبی فرض ہے کہ ہم آسے دوسری زبانوں میں بھی منتقل کریں تا کہ جس سرمایہ پر ہمیں ناز ہے اس سے اس کے واقعی دشمن اور جذباتی دشمن واقف ہوں۔ ہم انجمن ترقی آردو کو اس فیصلہ پر مبارک باد دیتے ہیں اور آردو کے ایسے ادیبوں سے جو آردو کے علاوہ دوسری زبانیں بھی جانتے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ وہ آردو ادب کے شہپاروں کو دوسری زبانوں میں بھی منتقل کریں"۔

......اب ہم کس طرح اس معاصر کو سمجھائیں کہ وہ اس قسم کی رائے پیش کرکے وہ ایک کفر جلی کا ارتکاب کر رہا ہے! ہماری "پاک" زبان کو دوسری زبان کے رسم الخط سے ناپاک کرنے کی کوشش ایسی ہے جیسے آب زمزم کو گندہ پیالے میں انڈیلا جائے!! معاصر ہندستان کو اگر اُن فتووں کی خبر نہیں جو صادر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں تو وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہے!!

.... گاندھی جی کے رفیق کار کاکا کیلکر نے راج کوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہندستانی زبان کو فارسی اور دیوناگری

رسم الخط میں لکھا جانا چاہئے اور اسی میں ملک کی فلاح مضمر ہے"

...... ملک کی فلاح کی اس قدر فکر کا کا صاحب کو کیوں ؟ ۔ اس کی اجارہ داری تو اب گاندھی جی کی تعلیمات سے گاندھی کیمپ میں منتقل ہو چکی ہے ۔ ! کا کا صاحب وہی پرانی باتیں کہے جاتے ہیں اور یہہ نہیں سوچتے کہ وہ

ایک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے !

جب گاندھی جی ہی کی شمع حیات گل کردی گئی تو پھر اب انکی سکھائی ہوئی باتوں کا کیا ذکر !

---- کا کا صاحب اگر قوم کے لیڈر یا کسی صوبہ کے منسٹر ہوتے تو ایسی باتیں نہ کرتے !!

اب وقت آگیا ہے

حسب ذیل سوالات "ہماری زبان" کی یکم مارچ کی اشاعت میں شائع ہوئے تھے ۔ اسوقت تک بہت سے جوابات وصول ہو چکے ہیں جنکا خلاصہ شائع کیا جائیگا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زبان کے پڑھنے والوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ان سوالوں کا جواب دے ۔ اس لئے پھر ایک دفعہ یہہ سوالات شائع کئے جاتے ہیں :- (۱) کیا ہم زبان کو زیادہ آسان بنانے کی کوشش کریں ؟ اور فارسی اور عربی کے مشکل الفاظ اسمیں سے خارج کر کے ہندی کے عام فہم الفاظ بھی حسب ضرورت داخل کریں ؟

(۲) کیا انجمن کی کتابیں صرف اردو ہی میں چھاپی جائیں یا اپنی زبان کو زیادہ وسیع دائرے میں پھیلانے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ انجمن کی کتابیں اردو کے علاوہ ہندی اور دوسری ملکی زبانوں میں بھی شائع کی جائیں ؟

(۳) کیا وقت آگیا ہے کہ رومن رسم الخط کو زیادہ مقبول بنانے کی کوشش کی جائے ؟

(۴) کیا انجمن کی مطبوعات کا دائرہ زیادہ تر قدیم ادب تک محدود رہے یا جدید ادب اور جدید علوم پر بھی زیادہ توجہ کی جائے ؟

اردو لٹریری سوسائیٹی

سوسائیٹی کے جائنٹ سکریٹری مسٹر ایم مارچنٹ اطلاع دیتے ہیں کہ :

St Xaviers College بمبئی میں ایک اردو گولڈ میڈل کمیٹی اسغرض سے بنائی گئی تھی کہ بمبئی یونیورسٹی میں اردو زبان کی اعلےٰ قابلیت کے لئے دو گولڈ میڈل دئے جایا کریں ۔ اس کمیٹی کے چیرمین پروفیسر کوریکر تھے ۔ گذشتہ سال اس کمیٹی نے دلچسپ تقریبوں کا انتظام کیا ۔ مثلاً ۸ اکتوبر سنہ ۴۹ کو زیر صدارت علامہ آرزو ایک "یوم اردو" منایا گیا ۔ پھر ۱۰ اکتوبر کو ڈاکٹر صغیر محمد علی کی صدارت میں یوم غالب منایا گیا ۔ ۱۲ فروری سنہ ۵۰ کو "یوم اقبال" منایا گیا ۔ ۱۹ جولائی سنہ ۵۰ کو ایک جشن اجتماع عید کا اہتمام کیا گیا ۔ یہہ تقاریب اسقدر کامیاب رہیں کہ کمیٹی نے ۱۰ ہزار روپیہ اسغرض سے جمع کرلیا کہ وہ یونیورسٹی کو دیا جائے اور اس رقم سے اردو زبان کی اعلےٰ قابلیت کے لئے ہر سال دو گولڈ میڈل انٹرمیڈیٹ آرٹ اور بی اے کے ایسے طلبا کو دئے جایا کریں جو اردو کے مضمون میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کریں ۔ ممبران کمیٹی تمام ایسے اصحاب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس کام میں امداد کی اور خصوصاً کالج کے پرنسپل ریورینڈ بالا گیور اور کمیٹی کے چیرمین پروفیسر کوریکر کا جنکی شخصی تائید اور دلچسپی نے کمیٹی کی کوششوں کو کامیاب بنایا ۔

اپنے دیس کی خبریں

رائے پور

عبدالرؤف خاں صاحب، سکریٹری انجمن ترقی اردو اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو رائے پور کی طرف سے ایک مشاعرہ اور کوی سمیلن ہوا۔ جناب یاور حسین صاحب نے صدارت فرمائی آخر میں پروفیسر پنڈت ویاس لکھنوی نے اپنا کلام سنایا جو بہت پسند کیا گیا ۔ اپ کے ہندی کلام میں اتنی روانی تھی کہ ہر طرف سے اس کی داد ملی ۔

آپ نے ایک چھوٹی سی تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ لوگ تنگ ذہنی کا شکار نہ ہوں۔ اردو عوام کی زبان ہے۔ وہ کسی ایک فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہندو اردو سیکھیں اور مسلمان ہندی سے فیضیاب ہوں۔ سکریٹری انجمن نے پنڈت جی کا شکریہ ادا کیا اسکے بعد انجمن ترقی اردو سے الحاق کی درخواست کی گئی۔ اور لوگوں کو پندرہ روزہ "ہماری زبان" علی گڈھ کی خریداری کے لئے کہا گیا چونکہ ہماری زبان کی خریداری بھی اردو زبان کی خدمت گذاری ہے۔

بنارس

بنارس ۱۱ ستمبر۔ اراکین انجمن ترقی اردو بنارس نے طئے کیا ہے کہ نہ صرف مجلس استقبالیہ "یوم صفی" لکھنؤ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے بلکہ بجائے خود صفی مرحوم کے ادبی احسانات اور آن کے علمی مقام کے پیش نظر بنارس میں نہایت شاندار طریقہ پر ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ع کو "یوم صفی" منایا جائے۔

اس سلسلہ میں ظفرالاسلام صاحب سکریٹری انجمن مذکور نے اعلی پیمانے پر انتظامات شروع کر دئے ہیں۔

حضرت جگر مراد آبادی مدظلہ ۲ ستمبر کو بنارس تشریف لائے۔ اسی روز شام کو ۸ بجے مقامی انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک مخصوص ادبی نشست موصوف کی صدارت میں حضرت نذیر بنارسی کے دولتکدہ پر منعقدہ ہوئی۔ جن شعراء حضرات نے اس نشست میں اپنے کلام سنائے آن میں سراج بنارسی، جوہر صدیقی، ظفرالاسلام بی۔اے، طالب بنارسی، ڈاکٹر واسع، نذیر بنارسی اور مسلم بنارسی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ صدربزم حضرت جگر نے بھی دو تازہ غزلیں سنائیں۔

موصوف نے ظفرالاسلام صاحب سکریٹری انجمن مذکور سے زبان کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کیا۔

بمبئی

۹ اگست کو انجمن ترقی اردو کی شاخ بمبئی کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مرکزی انجمن کے نئے قواعد کے بموجب شاخ کے قواعد کی ترمیم کی گئی اور حسب ذیل عہدہ دار اور اراکین عاملہ کا انتخاب کیا گیا:۔

صدر: جناب حاجی نور محمد صاحب۔ نائب صدر: زاھد علی شوکت علی صاحب اور مسز صفیہ بیگم۔ جنرل سکریٹری: سید شہاب الدین دسنوی صاحب۔ جوائنٹ سکریٹری: عبدالرزاق قریشی صاحب۔ خزانچی: مقیم مہدی صاحب۔

اراکین عاملہ: ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب، مسٹر بی۔ایس ولیمس، جناب عبدالعلیم ساحل صاحب، جناب انوار احمد جعفری صاحب، جناب انصاری صاحب، جناب حبیب احمد کھتری صاحب، جناب عبدالرزاق سعید صاحب، جناب مکلائی صاحب، جناب حاجی یوسف محمد صاحب، جناب احمد عثمان صاحب۔

بزم ادب سینٹ زیویرس کالج بمبئی کے ایک جلسہ میں جب اردو گولڈمیڈل کے لئے بزم ادب نے دس ہزار روپیہ جمع کر کے بمبئی یونیورسٹی کو دیا تو بزم کے صدر پروفیسر گوریکر نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

"لاکھ لاکھ احسان ہے اس معبود برحق، اس قدوس حق نواز اور اس خدائے پاک و برتر کا جس کے فضل و کرم کے سایہ میں ہماری بزم ادب اردو نے باوجود ناہموار فضاء، نامساعد حالات اور ناخوشگوار ماحول کے وہ مہم سر کر لی ہے جو نہ صرف ہمارے کالج بلکہ بمبئی یونیورسٹی کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جانیکے قابل ہے اور سچ ہے آج کے ہوش ربا حالات میں جب کہ اردو زبان کی بقا کے متعلق غور کرنا تو درکنار اس کا نام لینا بھی کھٹکتا ہے، اردو گولڈ میڈل کا قیام بمبئی یونیورسٹی میں قابل مبارکباد ہے۔

ہزار ہزار شکر ہے ان تمام ممبروں اور

عسروں کا جن کے تعاون اور شرکت عمل نے ہماری بزم کو اپنے پاک ارادوں اور نیک مقصد میں شاندار کامیابی عنایت کرکے اس قابل بنایا کہ آج ہم ہندوستان کی اس میٹھی اور پیاری زبان کی صحیح خدمت انجام دینے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جو ہندو مسلم ثقافت کی آئینہ دار ہے، آج ہم ہندوستان کی اس علمی اور ادبی زبان کی نشر و اشاعت کرینکا اعزاز حاصل کر رہے ہیں جو ہندو مسلم کوششوں کا واحد نتیجہ ہے اور آج ہم ہندوستان کی اس عوامی اور مثالی زبان کی بقا کا اہتمام کرینکا فخر حاصل کر رہے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کی مقدس یادگار ہے بالفاظ دیگر آپ جیسے علم دوست حضرات اور اردو نواز احباب کی ہر امکانی کوشش اور سعی سے اردو طلائی تمغوں کے قایم کرینکے سلسلہ میں ہم دس ہزار روپیہ کی پیشکش بمبئی یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔

ہندو ہو یا مسلمان اردو کے سب ہیں طالب
پھر کیوں نہ ہر زبان پر اردو زبان ہو غالب

یہہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ فرقہ پرستوں نے زبان کے مسئلہ کو فرقہ واری سیاست میں الجھا کر کل ہند سیاسی مسئلہ بنا دیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اردو اور ہندی کو جو ہندستانی زبانیں ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کے قریب ہیں، ایک انکھ دیکھنے کی بجائے رقابت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو حقیقت میں زیادتی ہی نہیں بلکہ ظلم کے مترادف ہے ۔ آج جبکہ ہماری حکومت نے "ہندی" کو سرکاری زبان تسلیم کیا ہے اور جبکہ ہندی نہ صرف ہمارے ملک کی زبان ہے بلکہ ہماری اردو کے بہت قریب ہے، ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم بھی اردو کے ساتھہ ساتھہ ہندی کو سیکھیں اور پڑھیں اور دونوں زبانوں کو جو زمانہ کی دست برد سے بچھڑ گئی ہیں، قریب سے قریب تر لانے کی جدوجہد کریں تاکہ گاندھی جی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے اور فرقہ واریت کی وبا کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تدارک ہوسکے ۔"

لکھنو

۱۱ ستمبر لکھنو یونیورسٹی کے وائس چانسلر اچاریہ نریندر دیو نے یونیورسٹی کی اردو سوسایٹی کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان عوام سے بہت قریب ہے لیکن اس افراتفری کے دور میں اس کو وہ جگہہ نہیں دی گئی جس کی وہ مستحق ہے ۔ اردو سے جو بے اعتنائی برتی جارہی ہے اس سے افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے عوام کی زبان کو مٹا دینا کوئی آسان کام نہیں اردو کا افسانوی اور شعری ادب ہندستان کی کسی دوسری زبان سے کم پایہ کا نہیں ہے بلکہ بشیتر زبانوں سے کہیں زیادہ ہے ۔

فروس (رتناگری)

علاقہ کوکن میں بعض اردو دوست احباب نے طے کیا ہے کہ اردو زبان کے متعلق موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کی جدوجہد کی جائے چنانچہہ ایک اردو رسالہ "پیام ادب" کے نام سے جاری کیا گیا ہے ۔

امروھہ

سکریٹری انجمن ترقی اردو امروہہ نے وزیر اعظم پنڈت نہرو، حضرت مولانا آزاد وزیر تعلیم اور، دیگر وزراء کی خدمت میں ایک مراسلہ ارسال کیا ہے جس میں ہندو انٹر کالیج کے پرنسپل صاحب اور طلباء کے درمیان اردو نہ پڑھائے جانے کے جھگڑے کو طے کرانے کی درخواست کی گئی ہے ۔

یاد رہے کہ طلباء کو کالیج میں اردو پڑھنے سے جبراً بہر روکا جارہا ہے ۔

شمش اباد (فرخ اباد)

۱۷ ستمبر ۱۹۵۰ ع کو ضلع کے نمایندگان کا ایک جلسہ شمش آباد میں منعقد ہوا ۔ اس جلسہ کے دعوت نامے جمعیتہ علماء ضلع فرخ آباد کے سکریٹری کی طرف سے جاری کئے گئے تھے ۔

تاریخ مقررہ پر اجتماع ہوا اور انجمن ترقی اردو ضلع اور مقامی انجمن (شمش آباد) کا قیام عمل میں آیا ۔ ضلع کا دفتر فرخ آباد میں رکھا طے پایا ۔

بنگلور

مسلم لائبریری بنگلور کے زیر اہتمام محمد علی ہال میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا جسکی صدارت سید غوث محی الدین صاحب اڈیٹر الکلام نے کی - بنگلور کے ممتاز شعرا نے اپنا کلام سنایا -

---

ڈیلمچری

مقامی انجمن ترقی اردو کا ایک عام اجلاس مدرسہ ہال میں زیر صدارت صدر انجمن جناب او-وی عبد اللہ صاحب منعقد ہوا - سکریٹری نے انجمن کے چودہ سالہ خدمات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس بدلی ہوئی حالت میں اردو کی تبلیغ و اشاعت پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہے - کے - اے - رحمن صاحب اور پی - سی عبدالرحمن صاحب وغیر حضرات نے پرجوش اور جامع تقریریں کیں -

قرار پایا کہ بزم ادب کو پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ چلایا جائے اور بیرونی مقامات کے اردو دان اصحاب کو بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے اور مدرسہ میں جماعتیں زیادہ بڑھائی جائیں - آیندہ تعلیمی سال سے اردو کو مادری زبان کی حیثیت سے لینے پر طالب علموں اور اسکول والوں کو آمادہ کیا جائے - اس کے لئے چار ممبروں کی ایک کمیٹی چنی گئی جس کے کنوینر وی - محمد صاحب قرار پائے ہیں -

برائے سکریٹری

بزم ادب کمیٹی اے - ٹی - یو

کلیان

اردو زبان و ادب کے حفظ و بقا و ترقی کے مقصد کے ماتحت "فروغ ادب" کے نام سے کلیان میں ایک بزم قائم کی گئی ہے - جس کے اغراض و مقاصد میں اردو دارالمطالعہ کا قائم کرنا اردو زبان و ادب کی اشاعت کرنا اردو تقاریر، مباحثوں، مذاکروں، اور مشاعروں کا اہتمام کرنا اور اردو جریدہ کے اجراء کا انتظام کرنا شامل ہے - اس ادارہ کی سر پرستی پروفیسر نظام الدین، ایس گورے کر ایم - اے شعبۂ اردو، فارسی، سینٹ زیویر کالج بمبئی نے قبول فرمائی ہے - ادارہ کے صدر میر غیاث الدین چودھری اور سکریٹری غلام حسین شاہد صاحب منتخب کئے گئے -

---

ظلمت سے سویرا پھوٹیگا!

(افسر آذری)

ظلمت سے سویرا پھوٹے گا، پستی سے ابھارے ابھرینگے
کچھ اور امیدیں ٹوٹیں گی، کچھ اور سہارے ابھرینگے
کشتی کی طلب کیسی ساتھی! ملاح سے کیا لینا ہے ہمیں
موجوں کے بھروسے ڈوبے میں طوفان کے سہارے ابھرینگے
وہ دن بھی کوئی اب دور نہیں، وہ وقت بھی آنے والا ہے
آکاش سے شعلے برسیں گے، دھرتی سے شرارے ابھریں گے
کچھ اور نگاہیں سنوریں گی، کچھ اور ارادے سلجھیں گے
کچھ اور شعاعیں نکھریں گی، کچھ اور ستارے ابھریں گے
اوقات کی اندھی موجوں نے، شکنوں میں لپیٹا ہے جن کو
گرداب کے خونیں آنچل پر اکدن وہ کنارے ابھریں گے

"پرچھائیں"

(اور اس کا دوسرا رخ)

(ایک شاہکار)

ادب اور فلسفہ کا میل بہت مشکل کام ہے، آصف علی صاحب (گورنر اڑیسہ) نے اپنے اس شاہکار کے ادبی نقش و نگار میں زندگی کے ایک بہت دور رس فلسفہ کا رنگ بھرا ہے اور حقیقت یہہ ہے کہ اُردو ادب میں یہہ پہلی کتاب ہے جس میں فلسفۂ حیات کی خشکی کو ادب اور زبان کی تازگی میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ جو لوگ زندگی کے فلسفہ پر غور کرنے والے ہیں اُن کے لئے ان اوراق میں فکر و نظر کا ایک سرمایہ فراہم ہے اور جو صرف ادب لطیف کی چاشنی چاہتے ہیں اُن کے ذوق کی تسکین کے لئے بھی سب کچھہ موجود ہے۔

آصف علی صاحب کو دُنیا زیادہ تر اس حیثیت سے جانتی ہے کہ وہ کانگریس کی صف اول کے لیڈر تھے اور ملک کی آزادی کے لئے عمر بھر ہر قسم کی قربانیاں گوارا کرتے رہے۔ لیکن بہت کم لوگ اُن کی زندگی کے جمالیاتی اور وجدانی پہلو سے اشنا ہیں۔حال ہی میں جب آنکی پہلی کتاب "باغی" کے نام سے مکتبہ جامعہ ملیہ نے شایع کی تو لوگوں کو تعجب ہوا تھا اور اب "پرچھائیں" کے صفحات تو ناواقف لوگوں کو اور بھی زیادہ حیران کردینگے۔ آصف علی صاحب، ادیب ہی نہیں بلکہ شاعر بھی ہیں اور نثر و نظم دونوں میں آنکی فطرت کی شعریت اپنے جلوے دکھاتی ہے۔آزادی کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد اب وہ ادب کی محفلوں میں نظر آئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ "پرچھائیں" سے آردو ادب میں ایک نئے اور زیادہ دلنواز شعبہ کا اضافہ ہورہا ہے۔

اس کتاب کے "حرف اول" اور "خیال مکرر" میں مصنف نے اپنے فلسفہ کی حقیقت کو ایک خاص انداز سے بیان کیا ہے:-

"حقیقت اپنی "پرچھائیں" کی اور سایہ اپنی حقیقت کی ٹھوکر ہے - عرض جوہر اور جوہر عرض کے دام میں عنقائے اکہی پر مارتا اور پھڑ پھڑاتا ہے، اسی کا نام پرچھائیں ہے، یہی "میں" کا ہمزاد ہے، یہی مایا ہے جیسے قوت تخلیق کا سایہ کہئے۔ میں اس افسانہ کا صرف کاتب ہوں، لکھوانے والا افسانہ ہے، حقیقت کی شباہت خود افسانہ ہے، تصور اور خامیاں میری ہیں"

زندگی کے افسانے کو وہ اس طرح شروع کرتے ہیں:

"دن بھر "پرچھائیں" سے پیچھا نہ چھوٹا، میری پرچھائیں مجھہ سے بڑھ گی- پرچھائیں مجھہ سے بھاگتی رہی، میں پرچھائیں سے؟

سارے دن اپنا سایہ نوچ نوچ کر پھینکا کیا، پرزے پرزے کرکے دھجیاں بکھیر دیں، پھر دونوں وقت ملے ہر طرف سایہ کے ڈھیر لگ گئے۔ چراغ جلے رات کی جالیوں میں پرچھائیاں جھانکنے لگیں، کیا چراغوں میں چھپی بیٹھی تھیں؟

اپنی روح کی یعنی انسانوں کے وجود روحانی کی اس استفساری کیفیت کو ان سوالوں میں ظاہر کرتے ہیں:

"روشنی چراغ کا گیت ہے یا اندھیرے کا؟ چراغ اندھیرے کی کنجی ہے یا قفل؟ روشنی اندھیرے میں بند رہتی ہے یا اندھیرا روشنی میں؟

چراغ میں روشنی بیٹھی ہے یا پرچھائیں؟

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دوپٹے کے یہہ دو رنگ ہیں، ایک طرف اندھیرا اور دوسری طرف روشنی۔ تم کبھی ایک رخ منہ پر ڈال لیتے ہو، کبھی دوسرا، اچھی! تم منہ کیوں نہیں کھول دیتے؟

مجھے "پرچھائیں" کیوں دکھاتے رہتے ہو؟

"پرچھائیں" آردو ادب کی اُن چند کتابوں میں سے ہے جن کا خلاصہ اور نمونہ اور جن کے اقتباسوں کو متن سے جدا کرکے پیش کرنا بہت مشکل ہے، اس افسانہ کے تانے بانے کا ہر تار اپنی جگہ پر داستان کی رگ جان ہے۔

"پرچھائیں" کے دوسرے رخ میں بھی جو کتاب کا دوسرا باب ہے یہہ مسافر اپنی منزل ڈھونڈتا چلا جارہا ہے مگر وہ اب اپنی جستجو کے کیف تمام سے لطف اندوز ہونے لگا ہے:-

"امید" کا نشہ اترے تو آرزو کا چہرہ نظر آئے، حسن کے نقاب اٹھے تو عشق کی برہنگی ڈھکے! شعلہ ہے شمع کی انکھوں میں نہ پروانے کی، شعلہ خود حسن کی بھی آگ ہے اور عشق کی بھی - تم مجھے ڈھونڈو، میں تمہیں ڈھونڈوں، اور جو مل جائیں تو "ہم" "تم" ہو اور نہ "میں" ہاں! جو مل جائیں تو "نہ تم" "تم" ہو نہ "میں" "میں"! آؤ پرچھائیں، مائیں کھیلیں!۔

فکر و نظر کا یہہ قافلہ اب "حرف آخر" تک پہونچتا ہے:-

یہہ کیفیت اس مرقع ابجدی و تصویر سرمدی کی ہے۔ سیدھا کرکے دیکھئے تو الٹ کر دیکھیں تو، خمار خودی کی ترنگ، دوران خون کی طرح، چراغ ادراک کے سر تک پہونچتی ہے اور شعلہ سرمدی کو روشن کرکے دود بیخودی میں گم ہوجاتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خودی اور بےخودی کی سرمدی سرحدیں کہیں مل نہیں جاتیں اور اس طرح روز ازل کا ساحل روز ابد کے کنارے سے ٹکرانے نہیں لگتا!

خود مصنف کے الفاظ میں:-

"یہہ سیر کس امید سے شروع ہوی؟
کس امید میں کٹی -
کس امید پر ختم ہوی؟
ہر طرف انکھیں پھاڑ کر دیکھا،
بچھڑے نہ ملے!
آوازیں دے دے کے آواز بیٹھ گئی،
اب تو اپنی آواز کی بھی گونج نہیں آتی!
آندھی پر سمیٹ کے رات کے گھونسلہ میں سو گئی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جستجو کا یہہ قافلہ دن بھر کی مسافت کے بعد پھر رات کے اندھیرے میں داخل ہوتا ہے اور پھر ایک دوسری صبح کا انتظار کرتا ہے!"

آصف علی صاحب نے کوئی ایسا نقشہ یا کوئی ایسی تصویر تو نہیں کھینچی ہے جس میں خد و خال نمایاں ہوں لیکن زندگی کے ایک عظیم الشان راز کی طرف کچھہ اشارے کئے ہیں، زندگی کے معمہ میں الجھکر سوچنے والے ان اشاروں میں حقیقت کو تلاش کرینگے اور وہ حقیقت جس قدر دور نظر آتی ہے اتنی ہی قریب ہے!

اردو ادب میں "پرچھائیں" کا شمار نہ تو محض علمی یا فلسفیانہ تصانیف میں کیا جاسکتا ہے اور نہ صرف ادب لطیف میں - ان دونوں کے درمیان کوئی مقام ہے، جہاں عقل اور وجدان کی سرحدیں ملتی ہیں، معرفت اور حکمت کے کتنے الجھتے سلجھہ جائیں اگر ہم اس مقام تک پہونچ سکیں!

نئی کتابیں

مسدس بے نظیر

[مصنفہ میر یار علی جان صاحب ریختی گو، جسے محمد علی خان اثر رام پوری نے مرتب کر کے اور اسٹیٹ پریس رام پور میں طبع کرا کے شایع کیا۔ قیمت دو روپے چار آنہ]۔

گذرے ہوئے دور کی یہہ ادبی یادگارین زبان، افکار اور تہذیب کے ارتقا کا مطالعہ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ روہیلکھنڈ کی ریاست رام پور میں سنہ ۱۹۵۷ع کے بعد کا دور اس لئے اہم سمجھا جاتا ہے کہ اس دور میں اجڑی ہوئی دہلی اور برباد شدہ لکھنؤ کے اکثر علما، شعرا، اور ادیب دربار رام پور میں جمع ہو گئے تھے۔ کلب علی خان والی رام پور ان کے قدردان تھے۔ اسی محفل آخر کے ایک ریختی لکھنے والے استاد جان صاحب تھے، جنھوں نے اپنی اس مثنوی اس زمانہ کے ایک شاہی میلہ کی کیفیت بیان کر کے اس دور کی تہذیب کا ایک گوشہ پیش کیا ہے۔ ایسی تصانیف ادبی اور تاریخی اہمیت رکھتی ہیں جس کو نظر انداز کر کے قدیم کلچر اور ادب کی تاریخ کا مرتب کرنا نا ممکن ہے۔ اثر صاحب کی یہہ کوشش قابل تحسین ہے۔

جرس۔ [وامق جونپوری کے کلام کا مجموعہ جسے دانش محل (امین الدولہ پارک، لکھنؤ) نے شایع کیا ہے۔ قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ]۔

حضرت وامق جدید دور کے شاعر ہیں اور "ادب برائے زندگی" کے قایل ہیں۔ ان کی نظم "بھوکا ہے بنگال" بہت مشہور ہو چکی ہے۔ اس مجموعہ میں بعض نظمیں کافی گرم ہیں اور عوامی زندگی کے اٹھتے ہوئے طوفان کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان میں "طلب" اور ایک بے محابا آرزو کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً

"بول رے ساتھی بول

راج محل میں آگ لگی ہے پنچھی پنجرا کھول
کب تک یوں ہی بیٹھے رہنا بول رے ساتھی
بول جنتا جاگی، بھارت جاگا، جاگا سب سنسار
تیکھے کھاو اٹھانے والے کھیچے ہیں تلوار
بھور بھئی ہو پھولن لاگی، سپنے ڈانوان ڈول
راج محل میں آگ لگی ہے پنچھی پنجرا کھول"

شاعری اور زبان کے اعتبار سے "وامق" کا کلام کمزوریوں سے خالی نہیں لیکن جدید ادب کے جذبہ کی گرمی اس کے اندر موجود ہے۔ اس مجموعہ میں چند غزلیں بھی شامل ہیں، جو شاعر کے اس احساس سے خالی نہیں جسے اس نے نظموں میں پیش کیا ہے۔ جدید ادب کے سلسلہ میں کلام وامق کا یہہ مجموعہ ایک اچھا اضافہ ہے۔

زندگی کے سائے۔ [پرل بک اور اگنیز یوکی کہانیوں کا مجموعہ جس کا ترجمہ بلال احمد صاحب نے کیا اور جسے شایع لاجپت رائے اینڈ سنس، اردو بازار دہلی نے کیا ہے۔ قیمت دو روپیہ]۔

مرحوم بلال احمد صاحب ایک ہونہار ادیب تھے جنھیں قدرت نے عمر طبعی تک پہنچنے کی اجازت نہ دی۔ یہہ ترجمہ ان کی آخری یادگار ہے۔ پرل بک کا نام تعارف کا محتاج نہیں، اس کے افسانوں کو اردو ادب میں شامل کرنا ضروری تھا۔ مرحوم نے بہت ستھرا ترجمہ کیا ہے اور اردو ادب میں اپنی محنت کے اس نتیجہ سے ایک اچھا اضافہ کیا ہے۔ دوسری زبانوں سے اعلی اور معیاری ادب کا اردو میں ترجمہ کرنا زبان کی ترقی کے لئے ایک بہت اہم شرط ہے۔ ایک زمانہ میں اہل قلم ترجمے زیادہ کرتے تھے مگر وہ انگریزی ادب کی جن کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے وہ زیادہ تر معیاری نہیں ہوتی تھیں۔ تاہم ان کے ذریعہ سے اردو ادب کے اس ذخیرہ میں کافی اضافہ ہوا تھا۔ لیکن اب یہہ سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے اور اکثر لکھنے والے ایسی "اوریجنل" چیزیں لکھہ رہے ہیں جن کا کوئی خاص معیار نہیں ہوتا۔ اس سے تو یقیناً یہہ بہتر ہوگا کہ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے ترجمے زیادہ کئے جائیں۔ مشکل یہہ ہے کہ ترجمہ کا فن آسان نہیں اور اچھا ترجمہ کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ تاہم تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ اگر اس طرف زیادہ توجہ کریں تو اردو زبان کے لئے مفید ہوگا۔

"زندگی کے سائے" بحیثیت ترجمہ کے آسان اور شستہ ترجمہ کی ایک اچھی مثال ہے۔ اردو دان طبقوں میں پرل بک کے ادب سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس کی تمام کتابوں کا ترجمہ ہونا چاہئے۔

انجمن کی شاخیں کیا کام کریں

(۱) اپنی بستی کے ہر محلہ میں مکتب اور مدرسے قایم کیجئے ۔

(۲) تعلیم بالغان کے لئے شبینہ مدرسے قایم کیجئے ۔

(۳) کتب خانے اور مطالعہ گھر جاری کیجئے ۔

(۴) "ہماری زبان" کی اشاعت بڑھائیے ' بغیر اس کے مرکزی انجمن کی آواز ہر جگہ نہیں پہنچ سکتی ۔

(۵) ہر شہر اور قصبہ میں شاخیں قایم کیجئے ۔

(۶) ممبروں کی تعداد میں اضافہ کیجئے ۔

(۷) اپنے شہر اور قصبہ کے اسکولوں اور مکتبوں میں اپنے بچوں کا ایک مضمون اردو قرار دیجئے اور اگر ایسا کرنے میں دشواری ہو تو مرکزی انجمن کو اطلاع دیجئے ۔

(۸) مرکزی انجمن کو بتاتے رہئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں ۔

انجمن کی کتابیں

پرچھائیں ۔ صوبہ اڑیسہ کے گورنر آصف علی صاحب کی تصنیف اردو زبان میں ایک نادر شاہکار ۔ قیمت چار روپے

حیات سرسید ۔ مرتبہ نورالرحمن صاحب ۔ سرسید کی قومی اور ادبی خدمات کے متعلق ایک نیا زاویہ نظر ۔ قیمت تین روپے

انگریزی اردو ڈکشنری ۔ اب نایاب ہے ' پھر بھی تھوڑے سے نسخے باقی ہیں قیمت ۳۰ روپیہ

(مہتمم ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ)

نرخنامہ اشتہارات

	فی اشاعت	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
¼ صفحہ	4/8	25/-	45/-	80/-
⅓ صفحہ	7/-	40/-	75/-	130/-
½ صفحہ	12/-	60/-	100/-	150/-
پورا صفحہ	20/-	100/-	175/-	300/-

سے صفحہ پر نام کے دونوں طرف جو جدولیں ہیں ان کا نرخ فی جدول فی اشاعت دس روپیہ ہوگا ۔

مہتمم "ہماری زبان" انجمن ترقی اردو علیگڈھ

شرائط ایجنسی

۱ ۔ ۵ پرچوں سے کم کے لئے ایجنسی نہیں دی جائے گی

۲ ۔ پرچے اشاعت کے معلوم ہر ہفتے بذریعہ وی پی روانہ کئے جائینگے ۔ وی پی کے اخراجات دفتر برداشت کرے گا ۔ لیکن اگر وی پی واپس آئے تو ڈاک کے اخراجات اور پرچوں کی قیمت ایجنٹ کے زرضمانت سے وصول کی جائے گی ۔

۳ ۔ کمیشن ۲۵ فی صدی دیا جائے گا ۔

۴ ۔ ایجنٹ کو ضمانت نقد حسب تفصیل ذیل جمع کرنی ہوگی ۔

۲۵ پرچوں تک	پانچ روپے
۵۰ " "	دس "
۱۰۰ " "	بیس "

۵ ۔ جو پرچے فروخت نہ ہوں گے وہ واپس نہ لئے جائیں گے

مہتمم "ہماری زبان"

انجمن ترقی اردو (ہند)

کا ادبی رسالہ

اردو ادب

[illegible]

[illegible] میں شائع ہوگا

انجمن کے دور جدید کی پہلی اشاعت ہوگی ۔ سابق خریدار اور اردو لٹریچر سے ذوق رکھنے والے ہوں اسے پڑھیں اور دیکھیں کہ انجمن کس طرح اپنے ادب کو آزاد ہندستان کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے ۔

قیمت سالانہ	دس روپیہ
فی پرچہ	ڈھائی روپیہ

مہتمم ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

باہتمام عزیز حسین عزیز ملیجر مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو علی گڈھ سے شائع کیا ۔